رئیس احمد جعفری

تأثرات

جامعۂ اسلامیہ

اس بّرصغیر پر جب تک انگریزوں کی حکومت رہی، جس طرح مسلمان ازاں سوراندہ وازیں سو درماندہ تھے اسی طرح ان کے دینی علوم وفنون کا حال بھی تھا۔ وہ بھی کس مپرسی کے عالم میں تھے۔ حکومت کی طرف سے زیادہ سے زیادہ جو سرپرستی کی گئی وہ یہ تھی کہ یونیورسٹیوں میں علوم مشرقیہ کا ایک شعبہ قائم کر دیا گیا، اور اس طرح منشی فاضل اور مولوی فاضل کا کورس ترتیب پایا۔ اور یہ رعایت دی گئی کہ جو لوگ یہ امتحانات پاس کرلیں وہ صرف زبان میں امتحان دے کر بی۔اے کی ڈگری لے سکتے ہیں۔

علوم مشرقیہ کے شعبوں نے منشی فاضل یا مولوی فاضل کا جو نصاب تیار کیا وہ ہر اعتبار سے ناقص اور فرومایہ تھا۔ اس نصاب کی تکمیل کے بعد طالب علم میں کوئی ملکہ کسی فن میں نہیں پیدا ہوتا تھا۔ چند مخصوص کتابوں کو رٹ رٹا کر امتحان میں کامیاب ہو جانے سے وہ قابلیت اور استعداد پیدا نہیں ہو سکتی جو ایک عالم میں ہونی چاہیے۔

مدارس اسلامیہ میں درس نظامیہ جاری تھا۔ یہ نصاب بجائے خود ترمیم طلب تھا، اور اس سے قطع نظر چونکہ حکومت مدارس اسلامیہ کی کوئی سرپرستی نہیں کرتی تھی۔ نہ ان کے سندات کو تسلیم کرتی تھی۔ نہ یہاں کے فارغ التحصیل علماء کو ایوان حکومت میں جگہ مل سکتی تھی۔ لہذا ذہین اور صاحب استطاعت طلباء اس طرف بہت کم رخ کرتے تھے۔ وہ یا تو مکمل انگریزی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یا مولوی فاضل وغیرہ کا امتحان دے کر چور دروازے سے گریجویٹ بن جاتے تھے۔ لیکن مقابلے کے امتحانات میں بیٹھنے یا اعلیٰ سرکاری ملازمتوں کے حاصل کرنے کا انھیں حق نہیں تھا۔

پاکستان بننے کے بعد صورتِ احوال یکسر بدل گئی۔
اب یہ ملک انگریزوں کا غلام نہیں تھا۔ آزاد ہو چکا تھا۔ اپنی قسمت کا آپ مالک تھا۔ اپنے مستقبل کی تعمیر خود کر سکتا تھا۔ چنانچہ مختلف حلقوں سے صدائیں بلند ہوئیں کہ یہ نظام بدلا جائے، اور ایک ایسی مکمل اور با اغنیا یونیورسٹی قائم کی جائے جو علوم اسلامیہ کے فروغ و احیاء کا سبب بن سکے۔ جس کا نصاب تعلیم اتنا جامع ہو کہ اس کی تکمیل کرنے کے بعد جو طلبا وہاں سے نکلیں وہ ایک طرف علوم قدیمہ پر پوری دسترس رکھتے ہوں تو دوسری طرف علوم جدیدہ سے بھی اچھی طرح آشنا ہوں۔ وہ مسجد میں امامت بھی کر سکیں، اور کسی ڈویژن کے کمشنر یا سیکریٹریٹ کے افسر اعلیٰ بھی بن سکیں۔ وہ دین و دنیا کے جامع ہوں۔ وہ حدیث، تفسیر، فقہ اور دوسرے علوم اسلامیہ کے ماہر ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ فلسفۂ جدیدہ اور علوم عصری پر بھی وسیع نظر رکھتے ہوں۔ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز ہونے کی صلاحیت اور اہلیت بھی رکھتے ہوں، اور فتوے بھی دے سکتے ہوں۔

اس سلسلے میں کچھ انفرادی اور اجتماعی کوششیں بھی کی گئیں۔ لیکن وہ ثمر آور نہ ثابت ہو سکیں۔ اس لیے کہ یہ کام حکومت کی پشت پناہی اور تائید و حمایت کے بغیر درجۂ تکمیل تک پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ مارشل لا سے ملک کو جہاں بہت سے فائدے پہنچے وہاں ایک عظیم فائدہ یہ بھی پہنچا کہ اوقاف افراد، اور متولیوں کے قبضے سے نکل کر حکومت کی تحویل میں آ گئے۔ ان کا نظم و انتظام بڑی حد درست ہو گیا۔ مصارف متعین ہو گئے، اور امور خیر، رفاہِ عام اور صحیح قسم کی اسلامی مدات پر ان کی آمدنی صرف ہونے لگی۔ مساجد کی تنظیم ہوئی اور اماموں اور خطیبوں کے لیے ایک نصاب تیار کیا گیا، جس کی تکمیل کے بعد انھیں معقول مشاہرے پر دینی خدمات تفویض کرنے کا بندوبست کیا گیا۔ کوئٹہ میں اکیڈمی علوم اسلامیہ اس مقصد کے لیے قائم کی گئی اور کوئی شبہ نہیں اپنی مختصر مدت حیات میں اس نے وقیع اور اہم خدمات انجام دیے۔ اس سلسلے میں مسٹر قریشی پہلے چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف اور ڈاکٹر بگرامی، ڈائریکٹر اکیڈمی علوم اسلامیہ نے طرح نو کا آغاز کیا اور شاندار پیمانے پر اس اہم مقصد کو لے کر آگے بڑھے۔

لیکن ایک اسلامی یونیورسٹی کا مطالبہ زور پکڑتا جا رہا تھا۔ بالآخر یہ آرزو پوری ہوئی۔ اور بہاولپور میں جامعۂ اسلامیہ کے نام سے ایک ادارہ قائم کر دیا گیا۔ اس ادارے کو قائم ہوئے ابھی صرف ایک سال کی مدت گزری ہے اس لیے اس کے نتائج و ثمرات نظر کے سامنے نہیں آئے ہیں۔ لیکن ڈاکٹر بلگرامی اور دوسرے اربابِ کار کے خلوص، جذبۂ عمل اور سعیٔ پیہم سے توقع ہے کہ یہ جامعہ بہت جلد مثالی ادارے کی حیثیت اختیار کر لے گی۔

اس سلسلے میں ہم یہ عرض کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ حوصلہ افزا ہے لیکن اس سلسلے میں بہت کچھ کرنا ابھی باقی ہے۔

سب سے اہم مسئلہ نصاب کا ہے۔ نصاب ایسا ہونا چاہیے جو طلبہ میں ملکۂ اجتہاد پیدا کر سکے، اور اگر واقعی مقصد یہی ہے تو ہمت اور جرأت سے کام لے کر اس نصاب کو اتنا جامع اور ہمہ گیر بنا دینا چاہیے کہ واقعی ایک مرتبہ قرطبہ اور غرناطہ کی یاد تازہ ہو جائے۔

علوم اسلامیہ سے متعلق بہت سی درسی، غیر درسی اور فنی کتابیں ایسی ہیں جو اردو میں منتقل نہیں ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کو پورے اہتمام کے ساتھ اردو میں منتقل کرنے کا کام جامعہ کے دارالترجمہ کو کرنا چاہیے۔ حیدرآباد کی عثمانیہ یونیورسٹی کی مثال سامنے رکھنی چاہیے۔

عربی زبان کی وہ ضخیم اور حجیم کتابیں جو عام ناشرین نہیں چھاپ سکتے جامعہ اسلامیہ ہی کی وساطت سے اردو داں طبقہ کے ہاتھوں میں پہنچ سکتی ہیں۔ لسان العرب، تفسیر کبیر، کشاف، نیل الاوطار، عینی، البدایہ والنہایہ، ابن حجر کی فتح الباری غرض یہ اور اس طرح کی صدہا کتابیں ہیں جو صرف حکومت کی اعانت اور سرپرستی ہی سے اردو میں منتقل ہو سکتی ہیں۔ عام ناشرین نہ اس طرف متوجہ ہو سکتے ہیں نہ ان کے بس کی یہ بات ہے۔ وہ تو صرف وہی کتابیں چھاپتے ہیں جن سے فوری طور پر انھیں نفع ہو سکتا ہو۔

بہاولپور کی جامعہ اسلامیہ کی حیثیت ــــ اگرچہ یہ ایک سرکاری ادارہ ہے ــــ سرکاری طور پر ابھی متعین نہیں ہو سکی ہے۔ یعنی جو لوگ یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر نکلیں گے

ان کی کیا حیثیت ہوگی؟ یہ بات واضح ہونی چاہیے، ساتھ ہی ساتھ اس امر کی وضاحت بھی بسا ضروری ہے کہ جامعہ کی دی ہوئی سند کی حیثیت کیا ہوگی؟ یعنی وہ دوسری یونیورسٹیوں کی کس ڈگری کی ہم پایہ ہوگی۔

جامعۂ اسلامیہ کا قیام ایک بڑا اچھا، بروقت، اور مستحسن اقدام ہے۔ لیکن اس کی افادیت کی تکمیل اس وقت ہوگی جب اس کی حیثیت متعین کردی جائے۔ اس کے بعد طلبہ زیادہ اور بڑی تعداد میں جامعہ کی طرف رجوع کریں گے اور جو لوگ یہاں سے فارغ التحصیل ہوکر نکلیں گے وہ اس ضرورت کو پورا کردیں گے مجموعی حیثیت سے جس کی توقع دیوبند، ندوۃ العلما اور مسلم یونیورسٹی سے کی جاسکتی ہے۔